نماز بوقتِ خطبہ پر محققانہ بحث

مولانا عبداللہ خاں صاحب کرتپوری فاضل دیوبند

(۳)

حافظ ذہبیؒ نے خراسانی کا ایک قول نقل کیا ہے کہ میں مدینہ پہونچا تو اکثر صحابہ وفات پا چکے تھے (قدمت المدینۃ وقد فاتنی عامۃ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ میزان) ممکن ہے طبرانی نے اس قول سے اپنا استناد کیا ہو۔

اس کے متعلق اوّل تو یہ کہ خراسانی کا یہ سفرِ مدینہ جو اکثر صحابہ کی وفات کے بعد ہوا ہے ان کا پہلا سفر ہے یا دوسرا تیسرا سفر۔ اس کی کوئی تصریح نہیں کہ وہ پہلے سفر کے حالات بیان کر رہے ہیں۔ اگر اس کو پہلا سفر ہی فرض کر لیا جائے تب بھی اس قول سے طبرانیؒ کے دعویٰ کی تائید نہیں ہوتی ہے خراسانی کے اس قول سے تو صاف یہ ثابت ہو رہا ہے کہ انھوں نے اس سفر کے موقع پر صحابہ کی ایک جماعت کو پایا ہے اگرچہ وہ جماعت وفات پانے والے صحابہ کے مقابلہ میں تعداد کے لحاظ سے اقلیت میں تھی۔ ہزاروں صحابہ کی تعداد میں سے سیکڑوں کی زندگی کا انکار بھی اس سے ثابت نہیں ہوتا ہے۔ اگر خراسانی کے اس سفر کے موقع پر کل صحابہ (ماسوا چند افراد کے) فوت ہو چکے ہوتے تو پھر بجائے فاتنی عامۃ الاصحاب کے فاتنی کلھم الا انسا و ابن عمر مثلاً۔ کہا جاتا۔ مدینہ کے رہنے والے صحابہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ۷۴ھ میں ہوئی۔ امام مالکؒ کے قول کے موافق خراسانی نے ان کو دیکھا ہے۔ البتہ بعض حضرات کے اقوال کے موافق خراسانی کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے لقاء حاصل نہیں اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ وفات سے چار پانچ سال قبل ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مدینہ سے طائف منتقل ہو گئے تھے اور وہاں ہی ۶۸ھ میں وفات پائی (میزان تقریب وغیرہا)

ان امور سے اندازہ ہوتا ہے کہ خراسانی کا یہ سفر ۵۰ھ و ۵۵ھ کے درمیان ہوا ہے اور اُن کو اس وقت صحابہ کی ایک جماعت سے ملنے کا موقع ملا۔

یہ تو سفر مدینہ کا معاملہ ہے اور مکہ کا سفر ظاہر ہے کہ وہ پہلے ہی کر چکے ہونگے وہاں صحابہ کا وجود باوجود ۱۰۰ھ تک بلکہ روایات کے موافق ۱۱۰ھ تک رہا ہے (مرآۃ الجنان و قائع ۱۱۰ھ)

نیز صحابہ کی تبلیغ و تذکیر و جہاد اور امور مملکت کا دائرہ حرمین تک ہی محدود نہ تھا دیگر بلاد حجاز و شام اور خود عطا ر خراسانی کے وطن خراسان تک سیکڑوں کی تعداد میں صحابہ پہونچے تھے۔ اس زمانہ کے عام مسلمانوں میں بھی کوئی فرد ایسا نہ ہوگا جس کے دل میں صحابہ کرام کے دیکھنے کی تمنا اور اُن سے اقوالِ رسول سننے کا شوق نہ ہو بالخصوص علماء و صلحاء کہ جن کا مشغلہ یہی تھا اور اُن میں عطاء خراسانی جیسے اسلام کے فدائی اور سنّتِ نبوی کے شیدائی جن کی سچّی بے ریا خدمتِ دین صرف اشاعتِ علم و فتویٰ و اجتہاد تک ہی محدود نہ تھی۔ ایک طرف وہ اسلام کے مجتہد و مفتی تھے تو دوسری طرف وہ میدانِ کارزار میں پہونچکر جہاد فی سبیل اللہ کرتے والے جاں باز سپاہی تھے دن قتال میں گذرتا تھا اور رات بھر وہ عبادت و انابت الی اللہ میں مشغول رہتے تھے (میزان و تہذیب)

خراسانی کے سفر شام و عراق کا ثبوت تاریخ میں موجود ہے اُن کے لئے صحابہ سے ملاقات کے کتنے ہی مواقع تھے پھر ایسے سچّے مخلص و عاشق دین سے یہ بھی ممکن نہیں کہ وہ صحابہ کو پائیں اور اُن سے استفادہ نہ کریں۔ محدثین تو علوّ اسناد کے لئے شہروں اور ملکوں کا سفر کرتے تھے کیا تابعین میں یہ جذبہ بھی نہ تھا کہ وہ افضل ترین خلائق (صحابہ) کی زیارت حسبِ ارشادِ نبویؐ باعثِ نجات سمجھکر کریں اور اُن کی زبان سے تبرکاً کچھ نصائح حاصل کریں۔ یا صحابہ کرام اپنے اُس فرض کی ادائیگی سے جو اُن پر بلّغوا عنی ولو اٰیۃً کے ذریعہ عائد کیا گیا تھا (عیاذاً باللہ) کچھ کوتاہی کرتے تھے۔

الغرض صحابہ کرام اطراف و اکناف میں پھیلے ہوئے تھے اور عطاء خراسانی بھی ایک جگہ پابند نہ بیٹھے تھے صحابہ کرامؓ تبلیغ و تذکیر میں سرگرم تھے تو تابعین ذوی الاحترام اپنے آقا و مولا کے اصحاب و خدام کے متلاشی اور اُن سے استفادہ کرنے کے مشتاق تھے۔

تاریخ کا ایک ابجد خواں بھی اس کو تسلیم کرنے کو تیار نہ ہوگا کہ نصف صدی کا عہد صحابہ میں گذارنے والے

عطاءؒ خراسانی نے کسی صحابی سے (سوا ایک کے) کچھ سنا ہی نہیں پھر اس کے قائل کون
جو خراسانی کے نہ ہمعصر ہیں نہ اُن کے شاگرد نہ شاگردانِ شاگرد۔ بلکہ تیسری صدی میں پیدا ہونے والے امام
طبرانی رحمہ اللہ۔ جو اپنے قول کی نقلی و عقلی دلیل بھی نہیں پیش کر سکے۔

اڑھائی سو سال کے بعد اُن کے پاس کہاں سے اطلاع آگئی کہ عطا خراسانی کسی صحابی سے کچھ سن ہی نہیں سکے۔ بظاہر یہ قول عطا خراسانی کے متعلق نہیں کہا گیا ہے اور اگر کہا گیا ہو تو اس کے غلط ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں۔ اس کے علاوہ فنِ رجال کے ایک طالب علم کے سامنے یہ سوال آتا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے بھی تہذیب التہذیب میں اس نقل کو عطا خراسانی کے ترجمہ میں لکھا ہے یا نہیں۔ قرائن تو اس کے مقتضی ہیں کہ حافظؒ کے قلم سے ہی یہ نقل ظہور پذیر نہیں ہوئی دیکھئے سماع خراسانی از نبیشہ رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں قاضی شوکانی کو منذری کا قول تضعیف کے ساتھ ہی بیان کرنا پڑا ہے اگر اس نقل کا تہذیب التہذیب وجود ہوتا تو قاضی شوکانی وثوق کے ساتھ فرماتے کہ ایک نبیشہ رضی اللہ عنہ سے سماع کا کیا سوال ہے خراسانی کو تو سوائے انسؓ کے کسی اور صحابی سے سماع حاصل نہیں ایسا نہیں ہوا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تہذیب میں بھی اس کی تازہ ہی پیدائش ہے سوائے تہذیب کے کسی دیگر کتاب میں اس کا وجود نظر نہیں آتا حافظ ذہبیؒ جیسے صحیح تلاش و جستجو کے ماہر نے اپنی جامع کتاب میزان الاعتدال میں اس کا اشارہ تک نہیں کیا۔ جبل علم حافظ ابن القیم کی نظر میں اگر یہ قول کہیں ہوتا تو وہ اس روایت کے تحت اس کا ذکر کرتے اور حافظ ہیثمیؒ تو اس کے متعلق ضرور بحث کرتے کیونکہ وہ اس روایت کی شدت و قوت کے ساتھ تائید کر رہے ہیں۔ اور خود حافظ ابن حجرؒ ہی اس روایت کو بخاری کی روایت کی شرح میں پیش نہ کرتے بلکہ اس روایت کی کھلے دل سے تضعیف کرتے اور اسی قول سے اپنا استناد کرتے۔ یہ سب امور اس سوال کی نفی میں جواب ہونے کی تائید کرتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) ایک امر یہ کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے عطا خراسانی کو طبقہ خامسہ میں رکھا ہے اور اس طبقہ کے متعلق لکھا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ایک یا دو صحابی کو دیکھا ہے (تقریب)

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حافظ رحمہ اللہ کا یہ قول معیارِ تحقیق پر صحیح نہیں اُترتا ہے آخر کیا وجہ ہے کہ عطا خراسانی ایک یا دو صحابی کو دیکھ پائے ہوں۔ عطا کسی خلوت گاہ میں گوشہ نشین نہ تھے کہ دنیا میں

رہنے والوں حتیٰ کہ برگزیدۂ خلائق (صحابہ) سے ملنا پسند نہیں کرتے تھے۔ یا صحابہ کرام نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تبلیغ و تذکیر جہاد فی سبیل اللہ سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی یا حرمین سے متجاوز نہیں ہوتے تھے یا خراسانی حرمین نہیں پہونچے اور پہونچے تو انھوں نے صحابۂ کرام سے ملنا گوارا نہیں کیا جس شخص نے نصف صدی عہد صحابہ میں گذاری ہو اور جس کا مشغلہ ہی روایتِ حدیث اشاعتِ دین جہاد فی سبیل اللہ ہو کیسے ممکن ہے کہ وہ اس طویل مدت میں صرف ایک یا دو صحابی کو دیکھ پائے ہوں اور جن کو دیکھا ان سے کچھ سُنا نہیں۔ یہ حافظ کی صریح مسالحت ہے۔

حافظؒ کی مسالحت کی دوسری مثال ملاحظہ ہو کہ انھوں نے عطار بن السائب کو طبقۂ خامسہ میں شمار کرلیا۔ درانحالیکہ میزان الاعتدال میں ان کی روایت موجود ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر میرے لئے دعا رخیر فرمائی تھی ان کی وفات ۱۳۶ھ میں ہوئی اُن کی زندگی کے ساٹھ ستر سال عہد صحابہ میں گذرے مگر حافظ ابن حجرؒ ان کو اسی خانہ میں بٹھا رہے ہیں جنھوں نے ایک یا دو صحابی ہی کو دیکھا ہے راوی الواحد او الاثنین کے کورس کی تکمیل تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سر پر ہاتھ پھیرنے کے وقت ہی ہوگئی تھی اس کے بعد ساٹھ ستر سال تک عطار بن السائب کیا صحابہ سے اجتناب فرماتے رہے۔ سفرِ حج زیارۂ روضۂ اقدس جمعہ و جماعت جہاد وغیرہ وغیرہ سب یک قلم بند کر کے کیا انھوں نے ایسا بھی انتظام کرلیا تھا کہ صحابۂ کرام کے چہرۂ انور پر اتفاقی طور سے بلا قصد بھی نظر نہ پڑے۔ فالیہ المشتکی۔

(۵) حافظ ابن حجر تقریب میں تحریر فرماتے ہیں یہ ہرگز صحیح نہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ عطار خراسانی کی روایات اپنی جامع صحیح میں لائے ہیں۔ نیز مقدمۂ فتح الباری میں حافظ مزی رحمہ اللہ علیہ کے تفرد کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انھوں نے عطار خراسانی کو صحیح بخاری کا راوی مان لیا درانحالیکہ دیگر مصنفین کہ جنھوں نے رجال بخاری کو قلمبند کیا ہے عطار خراسانی کو رجالِ بخاری میں ذکر نہیں کرتے ہیں۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اگر علامہ مزی رحمہ اللہ عطار خراسانی کو صحیح بخاری کے رجال میں شمار کر گئے ہیں تو صرف حافظ کا اسکو لم یصح کہنا ان کی تردید کے لئے کافی نہیں خود حافظ ابن حجر ہی تہذیب التہذیب میں فرماتے ہیں

قال ابو مسعود فی الاطراف عقب لحدیثین المتقدمین ھذان الحدیثان ثبتا من

تفسیر ابن جریج عن عطاء الخراسانی الی آخرہ ایسا ہی مقدمہ فتح الباری میں فرماتے ہیں۔ قال ابو علی الغسانی قال البخاری حدثنا ابراھیم بن موسیٰ ثنا ھشام ھو ابن یوسف عن ابن جریج قال قال عطاء عن ابن عباس وتعقبہ ابو مسعود الدمشقی فقال ثبت ھذا الحدیث والذی قبلہ بھذا الاسناد والحدیث المتقدم فی التفسیر من تفسیر ابن جریج عن عطاء الخراسانی عن ابن عباس وابن جریج لم یسمع التفسیر من عطاء الخراسانی وانما اخذ الکتاب من ابنہ عثمان ونظر فیہ قال ابو علی وھذا تنبیع بدیع من ابی مسعود رحمہ اللہ الی آخرہ۔ پھر اسی مضمون کے آخر میں فرماتے ہیں وما ذکرہ ابو مسعود من التعقب قد سبقہ الاسماعیلی الخ ان عبارات سے ثابت ہو رہا ہے کہ مزیٔ کے علاوہ ابو مسعود[1] دمشقی ابو علی غسانی[2] اسماعیلی[3] بھی عطاء خراسانی کو صحیح بخاری کا رجال سمجھے ہوئے ہیں۔ اور خود حافظ ابن حجر[2] کے استاد ہیثمی[1] رحمہ اللہ کا قول بھی روایت زیر بحث میں گذر چکا ہے کہ اس روایت کے رجال صحیح بخاری کے رجال ہیں۔ اگر دیگر اہل تصنیف نے خراسانی کا رجال بخاری میں تذکرہ نہیں کیا تو اُن کے عدم ذکر سے ان حضرات کی صحیح تحقیق پر کیا اثر پڑ سکتا ہے بالفرض عطاء خراسانی صحیح بخاری کے راوی نہیں ہیں تو کیا بات ہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ جس کی روایت امام بخاری رحمہ اللہ جامع صحیح میں نہ لائیں تو وہ ثقہ ہی نہ ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ حماد بن مسلمہ کی روایت صحیح بخاری میں نہیں لائے تو کیا محض اس وجہ سے اُن کا درجہ ثقاہت سے گر جائے گا ہرگز نہیں۔

اس امر میں محدث ابن حبان رحمہ اللہ امام بخاری پر نکتہ چینی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ حماد بن مسلمہ کی روایات سے اجتناب کرنے والے نے کوئی انصاف کا کام نہیں کیا۔ درانحالیکہ وہ ابوبکر ابن عیاش (جیسے ضعیف) راوی سے بھی احتجاج کر لیتے ہوں (میزان)۔ بہرحال ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس معاملہ میں بھی حافظ ابن حجر کے دلائل کس قدر وزن رکھتے ہیں۔ واقعہ اس طرح پر ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ جامع صحیح کی کتاب التفسیر میں عطاء کے طریق سے دو روایات لائے ہیں ان میں یہ تصریح نہیں کہ یہ عطا خراسانی ہیں یا مکی ہیں۔ دیگر طریق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ روایات عطاء خراسانی سے مروی ہیں۔ حافظ ابن حجر[2] اس کی تاویل کے درپے ہیں فرماتے ہیں ہو سکتا ہے کہ یہ روایات عطاء خراسانی کے پاس بھی ہوں اور عطاء

ملی کے پاس بھی ہوں اور امام بخاری رحمۃ اللہ عطار کی والی روایات لائے ہوں۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے یہ تو امر ثابت کو احتمال پر ترجیح دینا ہوا۔

پھر فرماتے ہیں بالخصوص جبکہ امام بخاری نے عطا خراسانی کی تضعیف بھی کی ہے یعنی اُن کی تضعیف کر کے خود ہی اُن کی روایات جامع صحیح میں کیسے لے آئیں گے۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہ تو ممکن ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ عطا خراسانی کی روایات قصداً جامع صحیح میں نہ لائے ہوں لیکن حافظ ابن حجر کا یہ استبعاد صحیح نہیں ہے۔ دیکھئے مقسم بن بجرہ ایک راوی ہیں جن کی امام بخاری نے تضعیف بھی کی ہے اور جامع صحیح میں اُن کی روایت بھی خود ہی لے آئے ہیں۔ حافظ ذہبی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں کہ امام بخاری پر تعجب ہے کہ مقسم بن بجرہ کی انھوں نے تضعیف بھی کی اور مقسم کی روایت بھی جامع صحیح میں لے آئے۔

مقام افسوس تو یہ ہے کہ حافظ ابن حجر اِن دونوں باتوں کا علم رکھتے ہوئے عطا خراسانی کے معاملہ میں اس کو مستبعد قرار دے رہے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ مقسم کے ترجمہ میں فرماتے ہیں بخاری نے مقسم کو ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے (اس کے علاوہ) بخاری نے مقسم پر کوئی قدح (جرح) نہیں ذکر کی۔ (تہذیب) حافظؒ تقریب میں فرماتے ہیں صحیح بخاری میں سوائے ایک حدیث کے اور کوئی روایت مقسم کی نہیں ناظرین غور فرمائیں کہ حافظؒ اس معاملہ کو کس طرح سے خفیف ثابت کرنے کی فکر میں ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری میں مقسم کی صرف ایک ہی روایت ہے دوسری جگہ فرماتے ہیں اگرچہ امام بخاری نے مقسم کو ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے لیکن ان پر کوئی جرح بیان نہیں کی۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے "پھانسی دی گئی پر کوئی اذیت نہیں پہونچائی"۔

الغرض مقسم بن بجرہ کے متعلق امام بخاری کے اس عمل کو جانتے بوجھتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ عطا خراسانی کے معاملہ میں اس کو بعید از قیاس قرار دیتے ہیں

ان مباحث سے اندازہ ہو گیا کہ یہ روایت محدثین کے نزدیک قابلِ اعتماد و لائقِ استدلال و صحیح ہے اور جو اعتراضات اس پر کئے گئے ہیں وہ معیارِ تحقیق پر درست نہیں اُترتے ہیں۔

(۲) عن ابن عمر قال سمعت النبی صلی اللہ ... ابن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے انھوں

علیہ وسلم یقول اذا دخل احدکم والامام علی المنبر فلا صلوٰۃ ولا کلام حتی یفرغ الامام۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر (مجمع الزوائد منبع الفوائد - فتح الباری)

نے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہو کہ جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو اور امام منبر پر ہے تو اس کے لئے امام کے (خطبہ ونماز) سے فارغ ہونے تک کوئی نماز درست نہیں۔ اسکو طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہی

اس حدیث کے اندر بہت کھلے الفاظ میں خطبہ کے وقت آنے والے کے لئے نماز کی ممانعت کیجارہی ہو اس حدیث میں ایک راوی ایوب بن نہیک مختلف فیہ ہیں۔ حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ نے ایوب کی وجہ سے اس روایت کی تضعیف کی ہو. حافظ ابن حجر بھی فتح الباری میں فرماتے ہیں فیہ ایوب بن نہیک وضعفہ ابوحاتم وابوزرعہ۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہ روایت تائید میں لائی گئی ہو۔ اس کے متعلق چنداں تحقیق کی ضرورت نہیں۔ لیکن چونکہ مجوزین اس روایت کو اس کا کم سے کم درجہ بھی مرحمت فرمانے کو تیار نہ ہوئے اس لئے اس کے متعلق کچھ تفصیل پیش کی جاتی ہے۔ ایوب بن نہیک مختلف فیہ راوی ہیں۔ محدث ابن حبان اور مولی سعد بن ابی وقاص محدث حلبی رحمہما اللہ اُن کی توثیق وتحسین کرتے ہیں اور دیگر حضرات نے اُن کی تضعیف کی ہے۔ ان جیسے مختلف فیہ راوی کی روایت حسن کے درجہ میں رہتی ہے۔ دیکھئے ابن عقیل ہاشمی کو ابن معین۔ ابن مدینی۔ ابو حاتم۔ ابن خزیمہ۔ ابن حبان. الحاکم۔ فسوی رحمہم اللہ نے ضعیف کہا ہے لیکن امام احمد و اسحاق وحمیدی کے نزدیک وہ قابل احتجاج ہیں ان کی روایت کے حسن ہونے کی حافظ ذہبی تصریح فرمارہے ہیں قلت حدیثہ فی مرتبۃ الحسن (میزان) دوسری مثال عیسٰی بن میمون کی ہے ان کی توثیق و تضعیف میں اختلاف ہونے کے باوجود حافظ جلال الدین سیوطی نے ان کی روایت کو حسن کے درجہ میں رکھا ہو فرماتے ہیں قال فیہ حماد ثقۃ ویحیی مرۃ لاباس بہ وضعفہ غیرھما ولم یتھم بالکذب فالحدیث حسن (التعقبات) علی ھذا محمد بن اسحاق صاحب مغازی مختلف فیہ راوی ہیں جارحین نے ان پر سخت الفاظ میں تنقید کی ہے لیکن دیگر حضرات ان کی توثیق کرتے ہیں باینہمہ حافظ ذہبی میزان الاعتدال میں ان کے حسن الحدیث ہونے کی تصریح کرتے ہیں فرماتے ہیں فالذی یظھرلی ان ابن اسحق

حسن الحدیث صالح الحال الخ

ایوب کی تضعیف کے معاملہ میں راقم الحروف کا خیال یہ ہے کہ ان کی تضعیف ایک غلط فہمی کی بنا پر ہوئی۔ جو حضرات مغالطہ میں آ گئے انھوں نے تضعیف کی اور جو سمجھ گئے وہ توثیق و تحسین کے قائل ہوئے وہ مغالطہ یہ ہے کہ ایوب سے روایت کرنے والے ایک راوی ابو قتادہ حرانی ضعیف و متروک الحدیث ہیں ایوب کی جو روایات ابو قتادہ کے طریق سے مروی ہیں بعض حضرات نے ان کو دیکھ کر اس کو ایوب کا ضعف سمجھا اور ان کی تضعیف کر دی۔ محدث ابن حبان نے اس کو دیکھا سمجھے اور ان کی تضعیف سے باز رہے اور اپنی کتاب الثقات میں (جو صرف ثقہ رواۃ پر مشتمل انکی کتاب ہے) ان کا ترجمہ لکھا اور مذکورہ سبب کے متعلق موسیٰ سعد بن ابی وقاص محدث جلی کا قول کیا نقل فرماتے ہیں وکان مولی سعد بن ابی وقاص یعتبر بحدیثہ من غیر روایتہ ابی قتادۃ الحرانی عنہ (کتاب الثقات لابن حبان)

ان حضرات کا یہ خیال بعید از قیاس نہیں۔ بسا اوقات ایک راوی اپنے ماتحت یا مافوق راوی کے ضعف کے لپیٹ میں آ کر ضعیف قرار دیا جاتا ہے۔ دیکھئے ابن غلاثہ ایک راوی ہیں ان کی روایت جو عمرو بن الحصین کے طریق سے مروی تھیں اُن کو دیکھ کر ازدی اُن کی تکذیب کرنے لگ گئے خطیب اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

افرط الازدی واحسبہ انما وقعت الیہ روایات عمرو بن الحصین عنہ فکذبہ لاجلہ وانما الافتہ من ابن الحصین فانہ کذاب (التعقبات)

باقی یہ بات کہ روایت زیر بحث ابو قتادہ کے طریق سے ہے یا نہیں۔ یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ روایت ابو قتادہ کے طریق سے نہیں ہے۔ ابو قتادہ ایک متفق علیہ ضعیف و متروک الحدیث ہیں اگر اس روایت کی سند میں ابو قتادہ ہوتے تو پھر مجوزین صرف ایک مختلف فیہ راوی (ایوب) کی بنا پر اس روایت کی تضعیف کیوں کرتے بلکہ اس سے پہلے ایک متفق علیہ ضعیف و متروک راوی کا سقم سامنے لاتے بالخصوص حافظ ابن حجر تو کسی طور پر اس امر کی بخشش نہیں فرما سکتے تھے۔

ہاں حافظ ہیثمی رحمہ اللہ نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے فیہ ایوب نہیک وھو متروک ضعفہ جماعتہ وذکرہ ابن حبان فی الثقات وقال یخطئ (مجمع الزوائد)

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ ہیثمی رحمہ اللہ کا یہ قول کہ ایوب کی ایک جماعت نے تضعیف کی ہے، صحیح

نہیں۔ ان کی تضعیف ابوحاتم اور ابوزرعہ نے کی ہے۔ حافظ ابن حجر اس روایت کے درپئے تضعیف ہیں انھوں نے بھی ابوحاتم وابوزرعہ ہی کا نام تضعیف کرنے والوں میں لیا ہے۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ ایوب کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔ ضعفہ ابوحاتم وغیرہ وذکرہ ابن حبان فی الثقات وقال یخطی (میزان) ذہبیؒ کا یہ قول بھی اسی قدر جرح ظاہر کرتا ہوا ہیثمیؒ کے قول (ضعفہ جماعۃ) کی تردید کرتا ہے۔ علی ہذا ہیثمیؒ کا ایوب کے متروک ہونے کا علی الاطلاق حکم لگانا بھی صحیح نہیں ان کو صرف ابوالفتح ازدی نے متروک کہدیا ہے۔ اب ان ہر سہ اقوال کا جائزہ لیجئے ابوحاتم متشددین میں سے ہیں اور وہی ایوب کی تضعیف میں پیش پیش ہیں۔ حافظ ذہبیؒ وحافظ ابن حجر اوّل اُن کا نام ہی ایوب کی تضعیف میں لیتے ہیں اور سابقًا یہ امر محقق ہوچکا ہے کہ متشدد کا قول جرح میں لائق اعتبار نہیں۔ ابوزرعہ خود ابوحاتم کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ ابوحاتم کے صاحبزادے (ابن ابی حاتم) نے کتاب العلل مرتب کی ہے اس کے بیشتر سوالات میں یہی فرماتے ہیں سألت عنہ ابی وابازرعۃ۔ ابوزرعۃ جمال ہمنشیں سے متاثر ہوکر ایوب کی تضعیف میں اُن کے ساتھ ہولئے اور یہ کچھ پہلا ہی موقعہ نہ تھا بلکہ وہ ہر اہم موڑ پر اپنے رفیق خاص (ابوحاتم) کی معاونت کے لئے تیار رہتے ہیں۔

ایک مرتبہ ابوحاتم نے اپنی قوت جارحانہ کی آزمائش کے لئے جو عملی کارروائی شروع کی تو شامت کی زد پر اُستاذ الکل حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ آگئے۔ ابوحاتم کے یہاں کسی کی بخشش کا سوال ہی نہیں تھا مگر مقابل کی قوت اور اپنی تنہائی کے باعث کچھ شش و پنج میں تھے ابوزرعہ اس منظر کو دیکھ کر فوراً ان کی مدد کے لئے کھڑے ہو گئے اب ایک اور ایک گیارہ ہوکر زور آزمائی میں مصروف ہوئے کچھ دیر کاغذی جنگ کے بعد ہر دو حضرات نے محاذ جنگ کی کامیابی کا بدیں الفاظ بگل بجا دیا کہ محمد بن اسمٰعیل بخاری متروک الحدیث ہیں۔ یہی ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ امام بخاری کے ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں سمع منہ ابی وابوزرعۃ ثم ترکا حدیثہ (کتاب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم) امام بخاری رحمۃ اللہ کو متروک الحدیث ہونے سے ارفع خیال کئے جانے کے ساتھ ساتھ ان ہر دو حضرات کی اس موافقت کو بھی ہمیشہ حُسن الوفاق ہی تصوّر کیا جاتا رہیگا۔ یہ تو ابوحاتم کے ساتھ ابوزرعہ کی رفاقت ناقابل تسلیم ہونے کا معاملہ تھا اب ابوالفتح ازدی کے قول ایوب کے متروک الحدیث ہونے کے بارہ میں سنئے۔ ابوالفتح ازدی خود ہی ضعیف ہیں اور خود ضعیف ہونے کے

باوجود جرح رواۃ میں حد سے متجاوز ہیں۔ ان کا قول قابل اعتماد نہیں۔ حافظ ذہبیؒ ابان بن اسحٰق کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔ ابوالفتح (ازدی) نے ان کو متروک کہا میں کہتا ہوں کہ یہ قابل ترک نہیں ان کی احمد عجلی نے توثیق کی ہے اور ابوالفتح جرح میں بہت زیادتی کر جاتے ہیں جن لوگوں پر آج تک کسی نے جرح نہیں کی تھی ابوالفتح نے اُن کو مجروح کر دیا اور ابوالفتح (اس طرف نہیں دیکھتے کہ وہ) خود ہی مجروح ہیں (میزان) پھر ذہبی رحمہ اللہ ابوالفتح کے ترجمہ میں فرماتے ہیں کہ ابوالفتح کی برقانی نے تضعیف کی ہے اور ابوالنجیب ارموی نے کہا کہ میں نے اہل موصل کو دیکھا کہ وہ ابوالفتح کو ضعیف سمجھتے تھے اور ان کو کچھ شمار ہی نہیں کرتے تھے۔

حافظ ابن حجرؒ مقدمہ فتح الباری میں احمد بن شبیب کے متعلق ازدی کا قول اُن کی تضعیف میں نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ازدی تو کسی حال میں بھی قابلِ اعتماد نہیں (والازدی لا یعتمد اذا انفرد فکیف اذا خالف) غرضیکہ ازدی کی تیز زبانی کا ہر اہل تصنیف شاکی ہے مگر بسا اوقات غلط کلام سے بلند پایہ حضرات بھی متاثر ہو جاتے ہیں۔ احمد بن شبیب مذکور صحیح بخاری کے راوی ہیں ازدی نے ان کو منکر الحدیث اور ناپسندیدہ شخص کہدیا۔ ابن عبدالبر جیسے سلامتی پسند مصنف ازدی کے قول کے فریب میں آکر کہنے لگے احمد بن شبیب عن ابیہ متروک بالآخر حافظ ابن حجر کو کہنا پڑا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن عبدالبر نے ازدی کے اتباع میں یہ کہہ ڈالا ہے (تہذیب) یہی صورت یہاں ہوئی کہ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ جیسے انصاف پسند اہل قلم ازدی کے قول کے دھوکہ میں آکر ایوب کو متروک فرما گئے۔

ابوالفتح ازدی تو جرح میں حدِّ اعتدال کے قائل نہیں ہیں اور ان کی کچھ شکایت نہیں جو شخص ناخود شناسی کے مرض میں مبتلا ہو اس کا گلہ ہی کیا۔ ازدی خود کیا ہیں اور اُن کے کلام کی محدثین کی نظر میں کیا حیثیت ہے یہ سب معلوم ہو چکا۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس روایت کی تضعیف میں ازدی کی لائن اختیار نہیں کی۔ البتہ حافظ ہیثمیؒ کہنہ مشق محدث کا ازدی کے قول کو اس طور پر نقل کر دینا ضرور قابل تعجب ہے سوائے اس کے اور کیا کہا جائے الجواد قد یعثر۔

الحاصل ایوب کے معاملہ میں راقم الحروف نے ابن حبانؒ اور مولیٰ سعد بن ابی وقاصؓ حلبی کا جو نظریہ پیش کیا ہے وہ درست ہے اور از روئے انصاف اس روایت میں تامل نہیں ہونا چاہیئے۔

(۳) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خروج الامام یوم الجمعۃ للصلوٰۃ یقطع الصلوٰۃ وکلامہ یقطع الکلام۔ رواہ البیھقی فی سننہ	ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے انھوں نے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن امام کا نماز کیلئے نکلنا نماز کو قطع (ختم) کرتا ہے اور اس کا کلام یعنی خطبہ بات چیت کو قطع کر دیتا ہے۔ اس روایت کو حافظ ابوبکر بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث کے الفاظ سے خطبہ کے وقت نماز کی ممانعت بہت شدّت کے ساتھ ثابت ہو رہی ہے حافظ بیہقی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے مرفوع ہونے میں کلام کیا ہے اس کے علاوہ اور کوئی جرح کسی سے ثابت نہیں۔ خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ اس حدیث کو اپنی کتاب الجامع الصغیر فی احادیث البشیر والنذیر میں لائے ہیں اور اس رسالہ میں انھوں نے احادیث مرفوعہ جمع کرنے کا التزام کیا ہے جیسا کہ رسالہ کے نام سے ظاہر ہے۔ جامع صغیر میں رمز کے ساتھ اس کی تحسین بھی کی گئی ہے علامہ عزیزی السراج المنیر فی شرح الجامع الصغیر میں اس کے متعلق فرماتے ہیں قال الشیخ (ای الشیخ خادم السنۃ الحجازی الشعرانی المشھور بالواعظ) حدیث حسن علامہ احمد قلیوبی شافعی نے بھی اپنی کتاب الأثر الجلیل فی بیان احوال احادیث الجامع الصغیر میں اس کی تحسین کی ہے۔ بیہقی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے متعلق جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت عبدالرزاق نے بطریق معمر ابن شہاب زہری سے سعید بن المسیب کا قول بیان کیا اور ابن ابی ذئب و یونس نے بروایت زہری اس کو ثعلبہ بن ابی مالک (صحابی) کے قول کے طور پر بیان کیا اور امام مالک نے اس کو زہری سے ان کا قول ہونا روایت کیا مطلب یہ کہ اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں بلکہ یہ زہری سعید بن المسیّب (ہر دو تابعی) اور ثعلبہ بن ابی مالک القرظی صحابی کا قول ہے۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ بیہقی کی اس تقریر سے تو اس روایت کے مرفوع ہونے کی تقویت ہو رہی ہے۔ جب زہری سے اس حکم کے مروی ہونے کا ثبوت ابن المسیب کی روایت کے ضعف کا باعث نہ بنا اور آپ نے زہری کی روایت کے صحت کو تسلیم کر لینے کے ساتھ ابن المسیب کی روایت کو بھی صحیح تسلیم کر لیا۔ اور ابن المسیب سے اس حکم کا ثبوت ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے ضعف کا باعث نہ بنا اور

اور آپ نے اس کو بھی صحیح تسلیم کرلیا تو پھر ان صحابی (ثعلبہ رضی اللہ عنہ) کی روایت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی حکم کے ضعف کا باعث کیسے بن جائے گی ۔

ثابت تو یہ ہو رہا ہے کہ یہ حکم حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور آپ کے بعد آپ کے صحابی ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے بھی یہی حکم فرمایا ان کے بعد ائمہ تابعین میں علوم نبویؐ کے سب سے بڑے حامل حضرت سعید بن المسیب نے بھی اسی حکم کو دہرایا ان کے بعد ان کے تلمیذ اعظم اور بقول امام شافعی مدینہ کی حدیث کے سب سے زیادہ محافظ و نگراں ابن شہاب زہری نے بھی اس حکم کو برقرار رکھا اور اُن سے یہی حکم اُن کے تلمیذ اعظم امام دار الھجرۃ حضرت امام مالکؒ نے حاصل کیا بمشکوٰۃ نبوّت سے اس نور کی ابتدا ہو رہی ہے اور ہر طبقہ اپنے مافوق طبقہ سے اس سنّت متوارثہ کو لیتا چلا آ رہا ہے انصاف تو اس کا مقتضی تھا کہ اس حدیث کی صحت اور اس کے مرفوع ہونے میں کوئی تامل ہی نہ ہوتا ۔ لیکن چونکہ روایت بیہقی رحمہ اللہ کے مسلک کے خلاف تھی اور ہر شخص کا رجحان طبعی طور پر اپنے مسلک کی طرف کو ہوتا ہے اس لئے اُن کے قیاس و اجتہاد کا جھکاؤ بھی اسی طرف کو ہو جاتا ہے اور طبائع بھی مختلف ہیں کسی میں یہ رجحان شدت اختیار کئے ہوئے ہوتا ہے ۔ یہی معاملہ بیہقی رحمہ اللہ کا ہوا کہ روایت کی مرفوعیت میں کلام کرنے کے وقت لہجہ میں تیزی آ گئی نہایت ترشی کے ساتھ فرماتے ہیں رفعه وهو فاحش جیسا کہ اس کی مرفوعیت اجتہادی بھی نہیں بلکہ بالکل بدیہۃ البطلان ہی ہے ۔ دعویٰ تو خطا فاحش کے متحقق ہو جانے کا فرما دیا لیکن کوئی دلیل ایسی بھی بیان نہ فرما سکے جس سے وقوع خطا کو اقرب بھی کہا جا سکے ۔ یہ بات سنجیدگی کے ساتھ بھی کہی جا سکتی تھی ۔ علامہ مناوی رحمہ اللہ بھی شافعی المذہب ہیں ان کو بھی اس کے مرفوع ہونے میں تامل ہے ۔ متانت کے ساتھ فرماتے ہیں ۔ والصواب موقوف (کتاب التیسیر فی شرح الجامع الصغیر)

الغرض جو دلیل بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی تائید میں بیان فرمائی وہ تو بالکل کھوکھلی ہی ۔ اُن کے لئے یہ بھی قابل توجہ امر تھا کہ اگر یہ موقوفاً ہی مروی ہوتی تب بھی تو حکماً مرفوع ہوتی کیونکہ کسی صحابی سے یہ ممکن نہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر سُنے ہوئے شرعی امر میں اپنی طرف سے ایسا قطعی حکم لگائیں اور درانحالیکہ یہ مرفوعاً بھی مروی ہے تو پھر روایۃً و درایۃً دونوں لحاظ سے قابل تسلیم ہے ۔

(۴) عن عقبۃ بن عامر قال الصلوٰۃ   عقبہ بن عامر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے انھوں

والامام علی المنبر معصیتہ (رواہ الطحاوی) — فرمایا امام کے منبر پر پہنچ جانے کی حالت میں نماز پڑھنا گناہ ہے۔ طحاویؒ نے اس کو روایت کیا ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر صحابی امام کے منبر پر ہونے کی حالت میں نماز کو معصیت فرماتے ہیں۔ یہ حدیث بظاہر قول صحابی ہے لیکن یہ حکم میں حدیث مرفوع کے ہے۔ صحابہ سے یہ بعید ہے کہ وہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر سنے ہوئے کسی فعل کو معصیت فرمائیں۔

حافظ جلال الدین فرماتے ہیں ومن ذلک حکمہ (ای الصحابی) علی فعل من الافعال بانہ طاعتہ للہ ولرسولہ او معصیتہ (تدریب الراوی)

اس روایت میں ایک راوی عبداللہ بن لھیعہ متکلم فیہ ہیں۔ یہ مصر کے باشندے تھے لہذا ہم کو مصر کے قابل اعتماد اشخاص کی شہادت کی تلاش کرنی چاہیئے امام لیث بن سعد رحمۃ اللہ امام ابن لھیعہ کے ہمعصر بھی ہیں اور ہم وطن بھی اور اُن سے روایت کرنے والے بھی ابن لھیعہ کے جنازہ میں شریک تھے فرمایا اب ان جیسا نہیں رہا۔ (ماخلف مثلہ) ائمہ مصر میں عبداللہ بن وہب عظیم المرتبت امام ہیں ابن لہیعہ کے ہم وطن ہونے ساتھ ہمعصر بھی ہیں انھوں نے ابن لھیعہ کو دیکھا ان سے احادیث حاصل کیں اور اپنے اس اعتماد پر فرماتے ہیں۔ انی لست کغیری فی ابن لھیعہ انا اکتبہا (میزان) میں ابن لہیعہ کے معاملہ میں دوسروں جیسا نہیں میں ان کی روایات لیتا ہوں پھر اپنے اعتماد کو قسم سے موکد کرکے اس طرح سے اظہار کرتے ہیں۔ حدثنی الصادق البار واللہ ابن لھیعہ۔ یہ مصر کے زعیم الملۃ فی الحدیث کا قول ہے اس کے مقابلہ میں باہر والوں کا قول وعمل کوئی وزن نہیں رکھتا ہے۔ ابن وہب کی شخصیت کے معاملہ میں صرف یہ کہدینا کافی ہے کہ وہ خاص اوصاف و فضائل کے باعث اپنے زمانہ کے معتمد ترین امام تھے روایت وحدیث میں بھی تہیدامن نہ تھے بلکہ ایک لاکھ احادیث کا چلتا پھرتا بینک تھے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں اماعبداللہ ابن وھب فعلمہ و ورعہ و زھدہ وحفظہ واتقانہ واعتماد اھل عصرہ واخبارھم بان حدیث اھل مصر وماوالاہ ییدورعلیہ۔

فرمایئے کہ ابن لہیعہ کے روایات کے صحت وضعف اور علل کو ان سے زیادہ اور کون جان سکتا ہے اور کس کا

قول اُن کے قول کے مقابلہ میں زیادہ قابلِ وقعت ہو سکتا ہے۔ اس طرح سے امام احمد بن صالح محدث مصر فرماتے ہیں کان ابن لھیعۃ صحیح الکتاب طلابًا للعلم ابوحاتم رحمہ اللہ نے ابوالاسود والنضر سے ابن لھیعہ کے متعلق کچھ دریافت کیا ابوالاسود جواب میں فرماتے ہیں کنا نری انہ لم یفتہ من حدیث مصر کثیر شیٔ یعنی مصر کی حدیث کا کثیر حصہ ابن لھیعہ کے پاس ہی ہے۔ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں اصول تو ابن لھیعہ کے پاس ہی ہیں اور ہمارے پاس تو فروع ہیں۔ امام احمد حنبل رحمہ اللہ ابن لھیعہ کی شان علمیت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں مصر میں ابن لھیعہ جیسا کوئی محدث نہ تھا۔ پھر اُن کی توثیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ مصر میں حدیث کی کثرت اور اُن کو ضبط کرنے اور محفوظ رکھنے میں ابن لھیعہ جیسا اور کون تھا (میزان الاعتدال وغیرہ)۔

ابن لھیعہ کی توثیق وتحسین کرنے والے ان ائمہ کو ابن لھیعہ سے جو نسبت وقربت حاصل ہے علماء جارحین بلاشک اس سے خالی ہیں۔ ان کی جرح ہر لحاظ سے مرجوح ہے۔ تاہم جارحین کے اقوال کو بھی دیکھا جائے کہ ان کے نزدیک ابن لھیعہ کی روایات میں کیا نقص ہے اور وہ ان کی روایات کی مقبولیت پر کس قدر اثر انداز ہے۔ محدث ابن حبان رحمہ اللہ جو ابن لھیعہ کی تضعیف کرنے والوں میں ہیں سب کی طرف سے نمائندگی کرتے ہوئے فرماتے ہیں وکان اصحابنا یقولون سماع من سمع منہ قبل احتراق کتبہ مثل العبادلۃ عبد اللہ بن وھب وابن المبارک وعبد اللہ بن یزید المقرئ وعبد اللہ بن مسلمۃ القعنبی فسماعھم صحیح (میزان) اس سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کے نزدیک ابن لھیعہ کی کتب کا ضائع ہونا ان کے اختلاط وضعف کا باعث بنا۔ یہ حادثہ ۱۷۰ھ میں پیش آیا اور ۱۷۴ھ میں ابن لھیعہ کی وفات ہو گئی (میزان وتقریب) اس حادثہ سے قبل ساٹھ ستر سال ابن لھیعہ کی روایت کا سلسلہ رہا اور بیشمار لوگوں نے اس طویل عرصہ میں اُن سے احادیث حاصل کیں۔ ذہبیؒ فرماتے ہیں حدث عنہ ابن المبارک وابن وھب وابن عجلان وابوعبد الرحمٰن المقرئ وطائفۃ قبل ان یکثر الوھم فی حدیثہ وقبل احتراق کتبہ (تذکرۃ الحفاظ) اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ ان کے اختلاط اور احتراق کتب سے قبل ان کا سلسلہ روایت چالو رہا اور روایت کرنے والوں میں عبادلہ کی روایت کو خصوصیت حاصل ہے

پھر عبادلہ کی فہرست میں جو نام درج ہیں وہ بطور تمثیل کے ہیں تحدیداً نہیں (کما یدل علیہ لفظ مثل العبادلۃ ونحوہ) نیز یہ مخصوص ومقید جرح بھی ان حضرات کی رائے ہے ورنہ امام احمد بن حنبل وابن وہب وغیرہ اس ساٹھ سالہ حدیث کا شغل رکھنے والے ابن لہیعہ میں اس حادثہ کی وجہ سے ضعف واختلاط پیدا ہونے کے قائل نہیں علماء متاخرین کے نزدیک ابن لہیعہ کی روایات کیا درجہ رکھتی ہیں اس کا اندازہ اقوال ذیل سے کیجئے۔ حافظ ذہبی کتاب العلو میں ابن لہیعہ کی ایک روایت بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں فیہ درّاج وہو واہ۔ درّاج کی تضعیف کرنا اور ابن لہیعہ سے سکوت کرنا اس کی دلیل ہے کہ ابن لہیعہ کی روایات ذہبی کے نزدیک قابل اعتماد ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ طبقات المدلسین میں فرماتے ہیں و (الطبقۃ) الخامسۃ من ضعف بامر اخر فحدیثہم مردود ولو صرحوا بالسماع الا ان یوثق من کان ضعفہ یسیرًا کابن لہیعہ۔ حافظ نے ابن لہیعہ کے ضعف کو ضعف یسیر تسلیم کیا۔ حافظ تقریب التہذیب میں ابن لہیعہ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔ صدوق ہیں ساتویں طبقہ کے لوگوں میں سے ہیں یعنی کبار اتباع تابعین میں سے ہیں۔ صحیح مسلم کی متابعات میں ان کی روایت ہے۔ حافظ نورالدین ہیثمی رحمہ اللہ مجمع الزوائد میں ابن لہیعہ کی ایک روایت کے متعلق فرماتے ہیں اسناد احمد صحیح وفیہ ابن لہیعہ وقد احتج بہ غیر واحد۔ علامہ ابن طاہر محدث رحمہ اللہ قانون الموضوعات میں تحریر فرماتے ہیں ابن لہیعہ میں اگرچہ زیادہ کلام کیا گیا ہے اور صحیح بات یہ کہ وہ بالتحقیق حسن الحدیث تھے۔

الحاصل ابن لہیعہ عالم کبیر فقیہہ محدث بلکہ حافظ حدیث اور امام اپنے زمانہ کے علماء وائمہ حدیث مثل امام اوزاعی ابن مبارک سفیان وشعبہ وغیرہم کی روایت کا مرجع ومآب تھے۔ صحیح مسلم وصحیح بخاری[1] کی متابعات میں اُن کی روایات موجود ہیں سنن اربعہ میں بھی مستقلاً ان کی روایات ہیں امام ترمذی نے ان کی روایات کی تحسین بھی کی ہے پھر ابن لہیعہ سے اس حدیث کو روایت کرنے والے عبداللہ بن محمد الفہمی ہیں جو ثقہ[2] صالح ہونے کے ساتھ مصری بھی ہیں اس لحاظ سے اس روایت کو ایک گونہ اور بھی فوقیت حاصل ہے۔

(۵) عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من توضاء فاحسن الوضوء ثم اتی الجمعۃ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے اچھی طرح سے وضو کیا پھر جمعہ کو آیا پس خطبہ

[1] حاشیہ برصفحہ ائندہ۔

[2] کشف الاستار عن رجال معانی الآثار۔

فاستمع وانصت غفر له مابينه	کی طرف اکان لگائے اور خاموش رہا تو اس کے اس
وبين الجمعة وزيادة	جمعہ سے دوسرے جمعہ اور تین زیادہ تک کے گناہ معاف
ثلاثة ومن مس الحصى	ہونگے اور جو کنکروں کو چھوتا رہا تو اس کا آنا تو
فقد لغى - رواہ مسلم	بیکار ہی رہا (اسکو امام مسلم نے روایت کیا ہے)

اس حدیث میں آنے والے کے لئے خطبہ سننے کا حکم کیا جا رہا ہے اور خطبہ کے استماع وانصات کے حکم کا مطلب ممانعت نماز بوقت خطبہ کا ہوتا ہے جیسا صحیح احادیث سے ثابت ہو چکا ہے۔ حضرات مجوزین شاید فرمائیں کہ استماع و انصات یعنی ممانعت نماز کا یہ حکم اُن لوگوں کے لئے ہے جو کہ امام سے قبل آکر تحیۃ المسجد ادا کر چکے ہوں -

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ الفاظ حدیث تو اس تصوّر کی تائید میں نہیں ہیں۔ یہاں تو صاف یہ فرمایا جا رہا ہے جو شخص جمعہ کو آئے اور استماع وانصات کرے۔ جمعہ میں آنیکے ذکر کے ساتھ ہی استماع وانصات کیلئے فرمانا اس کا پتہ دیتا ہے کہ یہ اُسی آمد کا تذکرہ ہے جو کہ استماع وانصات کے وقت میں ہو۔ امام سے قبل آنے اور تحیۃ المسجد کی ادائیگی کا تو اس میں اشارہ بھی نہیں۔ البتّہ ذیل میں بیان کی جانے والی سلمان رضی فارسی کی حدیث میں خطبہ سے قبل آنے والوں کا تذکرہ ہے اس سے وجہ استدلال کو اسی جگہ بیان کیا جا رہا ہے۔ جن حضرات کا اس حدیث کے مضمون کے متعلق بھی یہی خیال ہے وہ اس بحث کو حدیث سلمان رضی کے تحت میں ملاحظہ فرمائیں۔　　(باقی)

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) لے صحیح بخاری میں ابن لہیعہ کی روایات متابعات میں موجود ہیں لیکن امام بخاری نے وغیرہ فرماکر ابن لہیعہ کے نام کی صراحت سے گریز کیا ہے۔ حافظ ابن حجر تہذیب میں فرماتے ہیں روی البخاری فی الفتن من صحیحہ عن المقریٔ عن حیوۃ وغیرہ (الی) وفی عدۃ مواضع ھذا مقرونا بالغیر ولا یسمیہ وھوا بن لہیعہ لا شك فیہ اہل فن کی اصطلاح میں اس کا نام تدلیس ہے اور اہل فن کے یہاں مدلسین کی فہرست بھی موجود ہے اس میں امام بخاری کا نام بھی ہے (ملاحظہ ہو طبقات المدلسین)

گذشتہ مباحث میں عطا خراسانی کی روایات صحیح بخاری میں ہونے یا نہ ہونے کا تذکرہ آچکا ہے۔ درحقیقت وہاں بھی یہی صورت پیش آئی کہ امام عالی مقام نے لفظ خراسانی کی تصریح سے پہلو تہی اختیار کی درانحالیکہ اس کی صراحت ان کے شیخ ابن مدینی وغیرہ سے بھی ثابت ہے (ملاحظہ ہو تہذیب و مقدمہ) ثقہ رواۃ کے نام کے اخفاء کو چنداں قابل اعتراض نہیں سمجھا گیا۔ بخاری کے رواۃ بھی ایسا کرتے ہیں۔ لیکن امام بخاری کے نزدیک تو ابن لہیعہ و خراسانی ثقہ بھی نہیں۔ پس چہ باید گفت۔